خدا اور کائنات

از

ماہر القادری

ادارۂ اشاعت اردو

حیدرآباد (دکن)

قیمت ۹ ر

تعداد طبع ← ایک ہزار

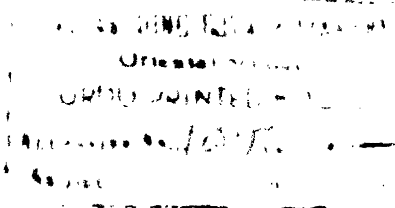
ماہ مارچ ۱۹۴۴ء



مطبوعہ

رزاقی مشین پریس

حیدرآباد (دکن)



خدا اور کائنات

ملحدوں اور منکروں کو دعوت غور و فکر

تم کسی کمرے میں بیٹھے ہوئے ہو، جس میں میز کرسیاں اور صوفے قرینے کے ساتھ بچھے ہوئے ہیں۔ دروازوں پر خوشنما پردے لٹک رہے ہیں۔ محرابوں پر خوشنما بیلیں چڑھی ہوئی ہیں۔ بجلی کے قمقمے جگ مگ کر رہے ہیں۔ جا بجا، تصویریں، نقشے اور حسین کیلینڈر آویزاں ہیں۔ گملوں کے گل بوٹے بہار دے رہے ہیں۔ اور دروازوں میں پا انداز پڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص دریافت کرتا ہے۔

"بھئی! بتاؤ تو سہی یہ کمرہ کس نے سجایا ہے؟"

دوسرا شخص جواب دیتا ہے:

"کسی نے نہیں سجایا، یہ تو خود بخود اتفاقی طور پر سج گیا ہے۔"

اِس جواب کو سُنکر اہلِ محفل قہقہہ لگاتے ہیں اور جواب دینے والے کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یا تو یہ شخص جان بُوجھ کر مذاق یا ہٹ دھرمی کر رہا ہے یا پھر اُس کے دماغ کی چولیں ڈھیلی ہو گئی ہیں اور عقل میں فتور پڑ گیا ہے۔ جواب دینے والا خواہ کتنا ہی بڑا عالم مشہور و مقبول ادیب و افسانہ نگار اور صفِ اوّل کا انقلابی شاعر ہی کیوں نہ ہو، اس کے متعلق یہ ہی دو رائیں قائم کی جائیں گی جو ابھی اُوپر بیان کی گئی ہیں۔

بالکل اسی طرح ایک شخص سے جہاں آب و گل بزم کائنات اور اس آپ کی دُنیا کی تخلیق کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے۔

"اِس کا بنانے والا کوئی نہیں ہے، یہ خود بخود پیدا ہو گئی ہے۔"

تو اس شخص کے متعلق ابھی وہی رائیں قائم کرنی ہوں گی جو اس شخص کے متعلق قایم کی تھیں، جس نے کمرے کی سجاوٹ اور آرائش کو

خود بخود ظہور میں آنے والا" بتایا تھا۔ جب ایک چھوٹا سا کمرہ کسی صاحب ارادہ اور صاحب شعور ہستی کی امداد کے بغیر مرتب نہیں ہو سکتا تو یہ اتنی بڑی دنیا جس کے نظام و آرائش میں اس چار گز کے کمرے سے کروڑ حصہ زیادہ ترتیب ہم آہنگی اور تناسب پایا جاتا ہے، کیا خود بخود ہو سکتی ہے؟ اور ایسی فطری ترتیب اور مناسب و موزوں تنظیم کو خود بخود پیدا ہونے والے اتفاقات کا مجموعہ بتانا کیا عقل عمومی COMMONSENSE کی کھلی ہوئی توہین نہیں ہے۔

نظامِ کائنات

تم دیکھ رہے ہو اور سوچ سمجھ کر محسوس کر رہے ہو کہ کائنات کی ایک ایک چیز زمین کے ذرّے سے لے کر، آسمان کے تارے تک ایک خاص نظام میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ زمین کی محوری گردش، سورج کا طلوع و غروب اور چاند کا عروج و محاق یہ سب کچھ ایک خاص ترتیب و نظام کے تحت ہو رہا۔ ہر چیز اپنے مقام پر مشین کے پرزوں کی طرح اپنا کام کئے جا رہی ہے، تنظیم اور ڈسپلن کا یہ عالم ہے کہ زمین سورج سے

نہیں ٹکراتی۔ چاند ستاروں سے نہیں اُلجھتا، سرد تارے آتشین تاروں سے متصادم نہیں ہوتے، یہاں تک کہ اس ہنگامہ میں مطربۂ فلک ناہید VENUS کی "لے" اور "گت" میں بال برابر فرق نہیں آتا۔

زمین کی پیاس بجھانے کے لئے، سمندروں سے ہوائیں پانی لے کر اُوپر جاتی ہیں۔ ان ہی بوجھل اور نمناک ہواؤں کو بادل اور گھٹا کہتے ہیں، اب یہ بادل برسنے لگتے ہیں گویا کہ سمندروں نے ہواؤں کو جو امانت دی تھی اُسے زمین کے سپرد کر دینے کا وقت آجاتا ہے۔ تقاطر، ترشح اور پھر موسلا دھار بارش، ٹھنڈی ہوائیں۔ کیف انگیز موسم، شاعر کی اصطلاح میں "پینے پلانے کا زمانہ" اور کسان کی زبان میں "کام کرنے کی رُت" ہر طرف سبزے کی مخمل بچھی ہوئی۔ یہاں تک کہ:۔

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

سُوکھے ہوئے درختوں میں کونپلیں پھوٹنے لگیں۔ مٹی تو پھر مٹی ہے وہ تو روئیدگی کے لئے پیدا کی گئی ہے، پہاڑ کی سخت چٹانوں کی دڑاڑوں سے سبزہ جھانک رہا ہے۔ وہ جو فرمایا گیا ہے کہ "کُلِّ شَیءٍ حیٍّ مِنَ الماءِ"

تو اُس کی تفسیر برسات میں نظر آرہی ہے۔ تناور درختوں سے لے کر گھاس کے تنکوں اور کمزور ریشوں تک ہر چیز نے بارش کے جھالوں سے بقدر ذوق و استطاعت فیض حاصل کیا ہے۔ شاعر اسی شانِ ربوبیت اور حسنِ انتظام کو دیکھ کر بے اختیار پکار اُٹھا ؎

ہر گیاہے کہ از زمین روید
"وحدہ لاشریک لہ" گوید

ہرن ہری ہری دوب پر کلیلیں کر رہے ہیں۔ مور جنگل میں ناچ رہے ہیں۔ جھینگروں کی ملہار، کوئلوں کی کوک اور پپیہے کی "پی پی" نے سینکڑوں جلترنگ چھیڑ دیئے ہیں۔ بطیں تالابوں کے سینوں کو چیرتی ہوئیں گلگشت کر رہی ہیں۔ بیر بہوٹیوں کی مخملی قباؤں نے ہریالی کی خوشنمائی میں اور چار چاند لگا دیئے ہیں۔

تم دیکھتے ہو کہ ایک ذرا سا فوارہ بھی، انجینئر اور معمار کی امداد کے بغیر حرکت میں نہیں آسکتا۔

شہر میں نلوں کے ذریعہ پانی پہنچانے کے لئے محکمۂ آب رسانی قائم ہے۔ بجلی کا ایک قمقمہ بھی برقی رَو کے بغیر روشن نہیں ہو سکتا اور برقی رَو

دوڑانے اور اس سلسلے کو قائم رکھنے کے لئے جن وسائل کی ضرورت لاحق ہوتی ہے وہ کسی ثبوت و دلیل کے محتاج نہیں ہیں۔

تم کسی کو دعوت دیتے ہو تو اس کے لئے تم کو انتظام کرنا پڑتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خود بخود کھانا پک گیا ہو اور آپ ہی آپ دسترخوان بچھ کر اس پر رکابیاں جم گئی ہوں۔ تو کیا ہوا اور پانی کا یہ اتنا بڑا انتظام جس کی ایک جھلک اوپر پیش کی گئی ہے۔ آپ ہی آپ چل رہا ہے، اور اس کا کوئی "مدبر" منتظم، نگراں، نگہباں اور فاعل و خلاق نہیں ہے۔؟ ہے اور ضرور ہے۔ گھانس کی ہر پتی۔ اس کی ہر بوند۔ ہوا کا ہر جھونکا۔ بادل کا ہر ٹکڑا اور زمین کا ہر ذرّہ " اس " کے وجود کی شہادت دے رہا ہے۔ عرفی نے قدرے جھجکتے ہوئے ادب کے ساتھ کہا ہے۔

مشکل حکایتے است کہ ہر ذرّہ عین اوست
امانمی تواں کہ اشارت بہ او کنند

خالق کائنات کے وجود کی شہادت کے ان گنت اوراق بکھرے ہوئے پڑے ہیں۔ بدنصیبی اس نگاہ کی جو ان اوراق کو پڑھ کر صاحب اوراق کے وجود کا اقرار نہیں کرتی۔

کمالِ تخلیق

موسموں کے تغیر و تبدل پر غور کرو کہ پیدا کرنے والے نے موسموں کے اُلٹ پھیر میں کتنی زبردست حکمت رکھی ہے۔ پھر حسنِ انتظام اور کمال تدبیر و حکمت کا یہ عالم ہے کہ ہر قطعۂ ارض اور گوشۂ زمین میں موسموں کی رعایت سے اشیاء پیدا کی ہیں۔ درخت، پہاڑ، پھول، پتی اور جانور رنگ موسم، ماحول اور سرزمین کے خاص حالات کے لحاظ سے خلق کئے گئے ہیں۔ جڑی بوٹیوں کے خواص میں ماحول کی رعایت رکھی گئی ہے۔ جن ملکوں میں زہریلے سانپ زیادہ پیدا ہوتے ہیں، وہاں زہر کے توڑ کے لئے، جڑی بوٹیاں پیدا کی گئی ہیں۔ نیش اور نوش دوش بدوش پائے جاتے ہیں۔

ریگستانوں کی سخت اور دشوار گزار منزلوں کے قطع کرنے کے لئے اُونٹ کو پیدا کیا گیا۔ اس کے پیروں اور پیروں کے ناخنوں (کھروں) کو دھنسا دینے والی ریت کی نرمی کی رعایت سے کتنا مکمل بنایا گیا ہے۔ ریگستانوں میں پانی کا توڑا رہتا ہے، خالق کائنات نے اُونٹ کے معدہ میں اس قسم کی

تھیلیاں پیدا کر دیں کہ وہ کئی کئی وقت کا پانی ایک وقت میں پی کر ضرورت کے لئے پانی کو محفوظ کر سکتا ہے۔

ریت کے تودوں میں ہریالی کہاں، کہیں کہیں کھجور کے جھنڈ اور خودرو جھاڑیاں اُگ آتی ہیں۔ اِس لئے اُونٹ کے کام و دہن کو دوسرے جانوروں کی طرح چٹورا نہیں بنایا۔ اونٹ خاردار جھاڑیاں کھا کر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

غرض ریگستان کی منزلوں میں جتنی تکلیف اور مشکلوں کے اِمکانات ہوسکتے ہیں اُن سب کے بچاؤ اور مدافعت کے لئے بلکہ اُن پر قابو پانے کے لئے اونٹ کے جسم اور مزاج میں تمام مناسب صلاحیتیں پیدا کر دی ہیں جب ہی تو " اُنظُرْ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ " فرما کر اُونٹ کی تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

اِنتہائی سرد ممالک میں ایسے جانور پیدا کئے گئے ہیں، جن کی کھالیں جسموں کو سردی کی شدت سے بچا سکیں، ہاتھیوں، شیروں اور اِسی قسم کے دوسرے خوفناک درندوں کے لئے لق و دق جنگل بنائے گئے ہیں۔

تم نے ہرنوں اور گیدڑوں کی طرح کھیتوں میں شیروں کو گھومتے نہیں دیکھا ہوگا، اور اگر ایسا منظر کسی کو دکھائی بھی دیا ہوگا تو بالکل شاذ۔ ہاتھی کتنا مضبوط اور ڈیل ڈول کا جانور ہے۔ لیکن ریگستان میں وہ کام نہیں دے سکتا۔ اِس لئے ریگستانی ممالک میں اِسے پیدا نہیں کیا گیا۔

ننھی مُنی تتلی کو دیکھو کہ وہ اپنے چمکیلے اور نازک پروں کو اُس کی بوندوں سے بچا بچا کر پھولوں کی رگوں سے عرق چُوستی ہے۔ یہی تمہارے گھروں میں پھرنے والی بلّی وضع حمل کے لیے کسی تنہا اور محفوظ مقام کا کتنا بروقت اِنتخاب کرتی ہے۔

ذرا سی مکڑی اپنی خوراک کی خاطر شکار پھانسنے کے لئے کس تناسب اور سوز و نیت کے ساتھ جال بناتی ہے۔ مکڑی کے جالے کی بناوٹ پر غور کرو تو تم کو حیرت ہوگی کہ اُس کے اکثر زاویوں اور خطوط میں غیر معمولی تناسب اور ترتیب پائی جاتی ہے۔

چھوٹی چھوٹی چڑیاں اور انڈوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے کتنے نرم و نازک تنکوں اور ریشوں سے گھونسلے بناتی ہیں۔ بَرخلاف اِس کے درندے پہاڑ کے سخت اور کھُردرے غاروں اور خاردار

جھاڑیوں میں بچے دیتے ہیں۔ آخر چڑیوں کے دِلوں میں کِس نے یہ بات ڈالدی کہ تمہارے انڈے آبگینوں کی طرح نازک ہیں جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جائیں گے اور نوزائیدہ بچوں کا جسم سختی کو برداشت نہ کرسکے گا۔ اِس لئے آشیانوں کو ذرا نرم و نازک بنانا۔ اس کے برعکس درندوں کو اس اِحتیاط سے بالکل آزاد کرکے اُن کے کان میں نہ جانے کِس نے پھونک دیا کہ تمہارے بچوں کے جسم "سختی پروف" ہیں۔

شہد کی مکھی کے چھتے میں تو آدمیوں کی حکومت جیسا نظم پایا جاتا ہے، اور جن لوگوں نے اس لٹریچر کو پڑھا ہے وہ "یعسوب" اور "ملکہ" کے فرائض اور اُن کے وظائف و اعمال سے ناواقف نہ ہوں گے۔

پہاڑوں پر برف گرنے سے پہلے وہاں کے بھولے بھالے پرندوں سے آخر کون کہہ دیتا ہے کہ کسی گرم مقام پر چلے جاؤ۔ یہاں کی فضا چند دن کے لئے تمہارے واسطے ناسازگار بنادی گئی ہے۔

چیونٹی (جسے تم اِنتہائی بے حقیقت سمجھتے ہو اور جس کی بہت سی آبادیاں تمہاری گرم رفتاری سے فنا ہو چکی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں)

کو دیکھو کہ مستقبل کے لئے کس کوشش اور محنت سے ذخیرہ جمع کرتے ہیں، اسکی قوت شامہ کتنی تیز ہے. گھر میں کھانے پینے کی چیزیں کتنے ہی اونچے یا محفوظ مقام پر چھپا کر اور ڈھک کر رکھ دو چیونٹی وہاں پہونچے بغیر نہ رہے گی۔ وہ دوڑتے ہوئے ذرا سا خطرہ بھی محسوس کرتی ہے تو فوراً راستہ بدل کر دوسری طرف مڑ جاتی ہے۔

ایک مغربی ماہر حیوانات نے تو ایک عجیب قصہ لکھا ہے۔ اس کی کہی ہوئی بات میں اپنے الفاظ میں لکھتا ہوں:-

"میں نے چیونٹیوں کو گھر بناتے ہوئے دیکھا، جب گھر بن گیا تو ایک ذرا فربہ اندام چیونٹی وہاں آئی، اور اس نے نہ جانے کیا اشارہ کیا کہ چیونٹیوں نے اپنے بنائے گھر کو ادھیڑ دیا اور پھر سے نئے نقشہ کے مطابق گھر تعمیر کیا۔"

چیونٹی کے دماغ کا حجم سوئی کے ناکہ سے سینکڑوں حصہ کم ہوتا ہے مگر اس پر بھی وہ اتنی پیش بیں، دور اندیش اور فریس واقع ہوئی ہے۔ آخر اس ننھی سی جان میں یہ فراست و دانائی کیا خود بخود پیدا ہو گئی ہے؟ یا اس پردے میں کوئی دوسرا ہاتھ کام کر رہا ہے۔

حسنِ تخلیق

تم ایک پتی کی بناوٹ اور نقش و نگار کو دیکھو۔ غور کرو اور سمجھو کیا عجب ہے کہ بلبلِ شیراز کی طرح تم بھی بے اختیار پکار اٹھو۔

ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار　　در نظرِ ہوشیار

انسان نے ان ہی پھول پتیوں کی نقالی کرکے طرح طرح کے کپڑے تیار کئے ہیں۔ کمخواب۔ اطلس۔ چکن اور طرح طرح کی چھینٹیں۔ رنگ برنگ کے ملبنے۔ یہ سب کپڑے پھول پتیوں کے نقش و نگار ہی کی نقلیں ہیں۔ لیکن انصاف سے بتاؤ کہ کسی پتی کی ایک لکیر کی بھی صحیح نقل اتر سکی ہے؟ بند کلیوں، نیم باز غنچوں اور ہنستے ہوئے پھولوں کی شادابی کو مصوّر کا قلم چھو بھی سکا ہے؟ کنول کا ڈنٹھل ہو یا گلاب کی ڈالیا چھوئی موئی کی پتیاں ہوں یا بنفشہ کے پھول۔ سورج مکھی کے نقش و نگار ہوں یا عشق پیچاں کی شاخ در شاخ بیل کیا ان کا جواب انسان پیدا کر سکا ہے۔ وہ انسان جو آج فضائے آسمانی کو زمین کی طرح استعمال کر رہا ہے جو ہزاروں میل کی باتیں سن سکتا ہے۔ ہواؤں سے جو نامہ بری کا کام

لے رہا ہے، جس نے پہلے پانی کا سینہ چیرا اور اب ہواؤں کا جگر چاک کر ڈالا، کیا وہ اِتنا سب کچھ جاننے، سمجھنے اور کرنے کے باوجود گھاس کی ایک پتّی کا جواب بھی پیدا کر سکا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا ترقی کر رہی ہے، مگر اُن ہی ترقی یافتہ طبقات میں کا ایک نہایت ہی فاضل شخص دنیا میں ایڈورڈ کلاڈ کے نام سے مشہور ہے، کہتا ہے۔

" بیسویں صدی کے اِنکشافات، گزشتہ صدی کی تحقیقات سے بازی لے جائیں گے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہم جس قدر علم میں ترقی کر رہے ہیں، اُسی قدر اسرارِ کائنات پیچیدہ ہوتے جاتے ہیں "

یہی بات اگر کوئی مشرق کا رہنے والا کہتا تو لوگ اُسے " قدامت پرست " " جاہل " " توہم کا بندہ " اور نہ جانے کن کن اَلقاب سے یاد کرتے مگر یہ شہادت تو اُس شخص کی ہے جو " عینی گواہ " کی حیثیت رکھتا ہے، میں مثالوں میں اپنے کہے ہوئے اشعار پیش کرنے کا عادی نہیں ہوں، مگر ایک شعر جو ایڈورڈ کلاڈ کے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ ذیل میں درج کرتا ہوں :۔

اِس آنکھ سے پوچھو کہ جو تہذیب نگر ہے
اُٹھتے ہیں حجابات کہ گرتے ہیں حجابات

دعوتِ غور و فکر

" آفاق " کے بعد ذرا " انفس " پر غور کرو، چاند، سورج اور ستارے بہت دُور ہیں۔ خود اپنے ہی جسم کو دیکھو۔ سر کے بالوں سے لے کر، پیر کے ناخنوں تک ایک ایک عضو بلکہ ایک ایک رونگٹا تناسب اور " احسن تقویم کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ جو حصہ جسم میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس کو اتنا ہی زیادہ محفوظ طریقہ پر بنایا گیا ہے۔ ہڈی اور گوشت پوست سے ذرا آگے بڑھیئے تو آپ کو خیال، اِدراک، جذبہ اور شعور کا ایک عجیب و غریب اور ایک حیرت انگیز سلسلہ دکھائی دے گا، شاخ در شاخ جذبات۔ پیچ در پیچ خیالات اور بسا لمت (ABSTRACTNESS) میں ترکب (COMPOUNDNESS) کے جلوے نظر آئیں گے۔ وہی ایک تند و تیز کیفیت ہے جو کبھی غضب ناک ہو جاتی ہے تو کبھی مائل بہ اِنتقام کبھی مدافعت کرتی ہے اور کبھی حملہ آور ہوتی ہے۔ یہ مرکزی کیفیت ایک ہی ہے۔ مگر اس کے رجحانات بدلتے رہتے ہیں

ممکن ہے کہ میں علم النفس کے اصول کے خلاف یا اُن سے ہٹ کر کوئی بات کہہ رہا ہوں، لیکن میں اپنے تجربات اور محسوسات کو نفسیات کی کتابوں سے مرعوب ہو کر چھپا نہیں سکتا۔

اچھا تھوڑی دیر کے لئے مفروضہ کے طور پر تسلیم کرلو کہ گھانس، پھول، پتے، کیڑے، مکوڑے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں تو کیا یہ اِنسان جو اس قدر شعور و اِدراک رکھتا ہے، جو کائنات کا خلاصہ اور نقاش کا "شاہکار نقش" ہے، کیا آپ ہی آپ پیدا ہوگیا ہے۔ اینٹ، پتھر اور جڑی بوٹیاں۔ فرض کرو خود بخود پیدا ہوگئی ہیں۔ لیکن کیا اِنسان بھی جو دماغ کے تفکر اور دل کے عزم و ہمت سے تمام کائنات پر قبضہ کئے ہوئے ہے خود ہی خلق ہوگیا ہے۔

اُوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کا یہ تمام کارخانہ ایک غیر متغیر قانون ——————— کے تحت چل رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ قانون خود بخود نہیں بن گیا، اُس کا کوئی بنانے والا ضرور ہے۔

اہلِ عقل کی بیچارگی

اَب عقل کی باری آتی ہے۔ اِس مسئلہ میں عقل کا فیصلہ کیا ہے۔

اِس بحث کے چھیڑنے سے پہلے اُن اَرباب فکر و نظر اور اہل دانش و حکمت کے اقوال پر صرف ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالو۔ جنھوں نے اپنی زندگی کے بہترین اور سب سے زیادہ قیمتی لمحے حقائق کا پتہ لگانے میں صرف کئے ہیں۔ جن کو اپنی عقل پر ناز تھا اور آج بھی عقل و فکر کی دُنیا میں اُن کا نام عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

اِنکساغورث کہتا ہے:۔

"کوئی چیز معلوم نہیں ہو سکتی کسی حقیقت کے چہرے سے پردہ نہیں اُٹھ سکتا قوائے حسیہ محدود ہیں، قوائے عقلیہ کمزور ہیں اور حیات مُستعار قلیل ہے"

زنوفینز حق بات کے یقینی تصوّر سے اِنکار کرتا ہے۔

اور پارمینڈائز کا قول ہے:۔

"اِنسان کے دماغ کی ساخت ہی ایسی نہیں ہے کہ حق مطلق کی تحقیق کر سکے"

فیرو ہمین۔ عقل کی نارسیدگی سے گھبرا کر کہتا ہے۔

"ہم کوئی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ یہ بھی دعویٰ نہیں کرتے

کہ ہم کوئی دعویٰ نہیں کرتے"

ایپی کیورس نے تو اپنے تلامذہ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ:-

" حق کا انکشاف ہرگز عقل کے ذریعہ سے نہیں ہوسکتا "

آرسیلیئس کو تو سرے سے، معلومات حسیۃ وعقلیہ دونوں سے انکار تھا۔
اس نے تو ڈنکے کی چوٹ اعلان کردیا تھا کہ۔

" اسے کسی شئے کا علم نہیں، یہانتک کہ اپنی لاعلمی کا بھی علم نہیں"

شائد ان ہی لوگوں کے لئے غالب نے کہا تھا۔

اہلِ تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

وہ جو تعقل و تفلسف کے امام مانے جاتے ہیں اُن کی عقل و فکر کا اعترافِ شکست آپ نے دیکھ لیا۔

آپ کے حواس و عقل قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ حقائق میں آپ عقل کے ذریعہ جتنا زیادہ گہرا جانے کی کوشش کرتے ہیں، اسی قدر پیچیدگیاں بڑھتی جاتی ہیں وہ عقل جو محض تجربہ کی بنیاد پر اشیاء کے متعلق فتویٰ صادر کرتی ہے

غلطی سے بچ نہیں سکتی۔

تجربات کی دنیا بہت وسیع ہے۔ تجربہ کا مستقبل اُس کے ماضی سے بہت زیادہ مختلف ہوتا ہے۔ آج سے دو سو سال پہلے سائنس دانوں نے تجربہ کے بعد جو کچھ کہا تھا آج اُن کہی ہوئی باتوں میں سے بہت سی باتوں کی تردید کر رہے ہیں۔

عقل و فکر کا امتحان اگر کرنا مقصود ہے تو ایک چراغ کو روشن کرو اور اُس کے بعد جلتے ہوئے چراغ کو پھونک مار کر بجھا دو اس کے بعد دُنیا کے تمام فلسفیوں عقلمندوں اور روشن دماغوں کو جمع کر کے اُن سے دریافت کرو کہ:۔

"چراغ میں شعلہ کیا پہلے سے موجود تھا اور اگر نہیں
تھا تو اس میں کہاں سے آیا؟ اور اَب کہاں چلا گیا۔"

میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ "شعلہ و چراغ" کی بحث میں صدیاں گزر جائیں گی، لاکھوں صفحات کا لٹریچر وجود میں آجائے گا۔ مگر دلائل و براہین سے اِس ایک مسئلہ کے متعلق مطمئن کر دینے والا جواب نہ مل سکے گا۔ لیکن میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا صرف اِس بناء پر کہ اہل عقل شعلہ اور

چراغ کے متعلق تشفی بخش جواب نہیں دے سکتے یا شعلہ کا وجود اور اس کا آغاز و انجام سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ شعلہ و چراغ کے وجود ہی سے اِنکار کر دیں گے کوئی چیز اگر سمجھ میں نہیں آتی ہو تو اُس کے یہ معنیٰ نہیں کہ اس چیز کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے "عدم علم شئے" سے "وجود شئے" کی نفی نہیں ہوتی۔

اِس تفصیل سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں عقل کی بجائے بےعقلی کی تبلیغ کر رہا ہوں "یا عقل کو بیکار اور لاشئے" سمجھتا ہوں۔ عقل کا جوہر انتہائی قیمتی جوہر ہے اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ عقل کی اہمیت اور ضرورت کا کوئی ہوش مند اِنسان منکر نہیں ہو سکتا۔

میرا کہنا یہ ہے کہ صرف عقل کے بل بوتے پر ہر گتھی نہیں سُلجھ سکتی عقل کے ساتھ ساتھ خالق کائنات نے اِنسان کو "فطری تمیز" بھی دی ہے جو حقائق پر دلائل و براہین کے نہ ہوتے ہوئے بھی ایمان لے آتی ہے۔ اِسی "فطری تمیز" کا نام ایمان، اور یقین ہے اور یہیں سے مذہب کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

عقل اور اُس کی کارفرمائیاں مُسلّم! لیکن بہت سی ایسی کیفیتیں اور حقیقتیں ہیں جن کا "عقل و کلام" کی دلیلوں کے ذریعہ اِظہار نہیں ہو سکتا۔

مثلاً آپ کو پیاس لگی ہوئی ہے۔ آپ ایک شخص سے پانی طلب کرتے ہیں، وہ شخص آپ سے کہتا ہے کہ جب تک تم اپنی پیاس کا مجھے الفاظ و دلائل سے ثبوت نہ دو گے، میں تمہارے لئے پانی نہیں لاؤنگا۔ آپ خود غور کرکے بتائیے کہ آپ پیاس کے ثبوت کے لئے کونسی دلیلیں اُس کے سامنے پیش کریں گے، کیا پیاس کی کیفیت کے اظہار کے لئے الفاظ آپ کا ساتھ دے سکیں گے؟۔

آپ اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ "بھئی مجھے پیاس لگ رہی ہے، میں اپنا دِل چیر کر تمہارے سامنے کس طرح رکھ دوں! میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے پیاس لگ رہی ہے اور تم کو بغیر کسی دلیل کے میری بات مان لینی چاہیئے" اِس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بہت سی کیفیتیں اور حقیقتیں دلائل کے بغیر بھی تسلیم کی جاسکتی ہیں اور یہ بات عقل کے منافی نہیں ہے۔

اور یہ بات بھی ہم کو عقل ہی نے بتائی ہے کہ عقل اگر کسی شئے کو نہ سمجھ سکے تو اُس شئے کے وجود سے اِنکار نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ نکتہ بھی ہم کو عقل ہی نے سمجھایا ہے کہ کسی چیز کے جاننے اور پہچاننے کے دو ذریعے ہیں؛

معرفتِ ذاتی[1] اور معرفتِ عرضی[2]۔ آپ کے سامنے ایک قلمدان رکھا ہوا ہے، آپ اس کو دیکھ رہے ہیں تو قلمدان کی آپ کو معرفتِ ذاتی حاصل ہوگئی ۔ قلمدان کے دیکھنے کے بعد آپ غور کرتے ہیں کہ اس کا کوئی بنانے والا بھی ہے اور وہ بنانے والا جس نے اِتنا حسین اور سُبک قلمدان بنایا ہے۔ بہت ہی اچھا کاریگر اور چابکدست صنّاع ہوگا۔ تو قلمدان بنانے والے کی یہ معرفت عرضی ہے جو قلمدان کے واسطہ سے آپ کو حاصل ہوئی ہے۔

خدا اور خالق کائنات کا ایک تو اِس طرح ماننا ہے کہ بغیر کسی دلیل و بُرہان کے آدمی کا باطن شہادت دیتا اور دل کی دھڑکن پیدا کرنے والے کو پکارنے لگتی ہے، اِس یقین کی بنیاد اس " فطری تمیز " پر ہے جو تجربہ اور مشاہدہ سے مقدم اور بالاتر ہے، مذہب کی اِصطلاح میں یہ معرفت " ایمان بالغیب " کہلاتی ہے۔

دوسری معرفت یہ ہے کہ اس کارخانۂ کائنات کو دیکھ کر آدمی سوچتا ہے کہ اس کا بنانے والا اور چلانے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے اور جو اتنے بڑے کارخانہ کا صانع اور نگراں ہے وہ یقیناً کائنات میں سب سے زیادہ طاقتور اور مُدبر و حکیم ہونا چاہیئے تو کائنات کے واسطہ سے جو خالق کائنات کی

معرفت حاصل ہوتی ہے اس کا نام معرفتِ عرضی ہے، اور یہ معرفت عرضی عقل کے عین مُطابق ہے۔

اگر کائنات کے معلولات اور موجودات کی علتہ العلل FINAL CAUSE کا عقل پتہ نہیں لگا سکتی، تو اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ خالِق کائنات (یا فلسفہ کی اِصطلاح میں علتہ العلل) کا وجود ہی نہیں ہے۔

ایک دَہقانی قمقمے کی روشنی کو تو دیکھ رہا ہے اور اُسے مان رہا ہے لیکن برَقی رو کا فلسفہ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ تو کیا اُس کے نہ سمجھنے سے برَقی رو اور فلزاتی تار و پود کا وجود ہی سرے سے غائب ہو جائے گا۔

یاد رکھئے جو چیز جتنی زیادہ بسیط اور لطیف ہے اسی قدر کیمیاوی تحلیل اور عقلی تجزیہ کی دسترس سے دور ہے!

ہربرٹ سپنسر کہتا ہے:۔

"کچھ عرصہ سے یہ طبعی اِدراک کہ یہ غیر محدود خلا بغیر کسی اصل اور سبب کے موجود ہے اور موجود رہیگا، میرے دِل میں ایک ایسا خیال پیدا کرتا ہے کہ اس کے سامنے میں سہما جاتا ہوں۔"

یہی وہ "سرورِ عقل اور غمِ تحقیق" کا دوراہہ ہے جہاں بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، ہربرٹ سپنسر جس تصور کے سامنے سہما جاتا ہے وہی تصور تو "ایمان بالغیب" کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

سینکڑوں فلسفی جس مسئلہ کو واضح نہ کر سکے، یا جو حقیقت کا اَتا پتا معلوم کر کے کچھ کہنا چاہتے تھے وہ فلسفہ کی اِصطلاحات میں اُلجھ کر رہ گئے اِس مسئلہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے دو لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

"العجز عن الادراك، ادراك" یعنی خدا کی حقیقت کی دریافت سے عاجز ہونا ہی دریافت ہے۔

جب ہی تو نبی اُمّی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اِرشاد فرمایا ہے کہ:۔

"خدا کی ذات میں غور مت کرو۔ صفات میں غور کرو۔

مغربی مفکرین کے اقوال

تم کہو گے کہ یہ مضمون نگار مذہبی پیشواؤں کے اقوال پیش کر کے زبردستی عقل میں نہ آنیوالی باتوں کو منوانا چاہتا ہے، لیکن میں اگر

اُن کے اقوال پیش کر دوں، جن کو مغرب نے عقل و فکر کا امام مانا ہے، تو میرا یہ جرم شاید کچھ ہلکا ہو جائے گا۔

مشہور فلسفی "ہیوم" کہتا ہے:۔

"جب ہم نفس کے اُن افعال پر غور کرتے ہیں، جو جسم پر عمل کرتے ہیں تو وہاں یہ تو نظر آتا ہے کہ ارادہ کے بعد اَعضائے جسم میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اِس تعلق اور قوت کا پتہ نہیں چلتا جو ان دونوں کو وابستہ کئے ہوئے ہے"

وہی قوت جس کا ہیوم کو پتہ چلتا "خدا" ہے اور سعدی شیرازی نے "ہیوم" ہی کے الفاظ میں اُسے "برتر از قیاس و گمان و وہم" کہا ہے۔

مشہور فلسفی ہربرٹ سپنسر کہتا ہے:۔

"ماہیت اشیاء سے ہم بالکل ناواقف ہیں نہ ہم کو آغاز کی خبر ہے اور نہ انجام کی۔ زیادہ سے زیادہ سائنس یہی کہہ سکتی ہے کہ مادۂ کائنات ازل میں حالت منتشرہ

میں تھا لیکن پھر یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حالت کیونکر
پیدا ہوئی۔ اسی طرح مظاہر موجودات کی نیرنگی کا سلسلہ
کچھ ایسا لامتناہی ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ انجام کیا ہوگا
کہ علم حقیقی نہ حاصل ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔" ——

یہی وہ مقام ہے جہاں عقل کے پیر جلنے لگتے ہیں اور ایمان" کا
آب حیات اس آگ کو بجھاتا ہے۔

ہیوم "تصورات" کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

" مفرد تصورات، جن سے اُن مرکب تصورات کی
ترکیب ہوئی ہے کسی نہ کسی عالمگیر اُصول سے جکڑے
ہوئے ہیں۔ جو تمام نوع انسان پر یکساں موثر ہے۔"

مذہب کی اِصطلاح میں یہی "کوئی عالمگیر اُصول" "مشیت خداوندی"
کہلاتا ہے فرق صرف نام کے تشخص اور الفاظ کے تعین کا ہے ورنہ
یہ مغربی فلسفی بھی دَبی زبان سے اُن "حقائق" کا اقرار تو کرتے ہیں جن
پر مذہب کی بنیاد ہے۔

یہی ہیوم ایک جگہ کہتا ہے:۔

"یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ قدرت نے حریم اسرار سے ہم کو بہت دور رکھا ہے اور وہ ہمارے علم کو اشیاء کے صرف چند سطحی صفات و کیفیات سے آگے بڑھنے نہیں دیتی، اور نہ ان اصول و قویٰ کو ہم سے یکسر نہاں رکھتی ہے۔ جن پر اشیاء کی تاثیر موقوف و منحصر ہوتی ہے مثلاً حواس سے روٹی کے رنگ، وزن اور گداز ہونے کا علم ہوجاتا ہے، لیکن اِس روٹی میں جسمِ انسان کے بقار و تغذیہ کے صفات کہاں سے آگئیں۔ اِس کا پتہ نہ حواس سے چلتا ہے اور نہ عقل سے!"

یہی بات اگر کوئی مذہبی آدمی کہتا تو اُسے جاہل اور قدامت پرست کا خطاب دیا جاتا۔ لیکن میں روشن خیال نوجوانوں سے پُوچھتا ہوں کہ "ہیوم" کو کیا ہوگیا ہے جو صرف روٹی کے صفاتِ بقا و تغذیہ کو حواس و عقل کی جستجو اور انکشاف سے ماوراء سمجھتا ہے۔

آلیور لاج اپنی کتاب "انسان اور کائنات" میں لکھتا ہے۔

دماغ عالمِ طبعی اور نفسی کے درمیان ایک واسطہ ہے
طبعی عالم میں حرکت اور نفسی عالم میں خیال کی عملداری
ہے اور وہ عضو جس کا نام دماغ ہے دونوں کے درمیان
ایک نامعلوم طریقہ سے ترجمان کا کام دیتا ہے۔
یہی "نامعلوم طریقہ" مذہب کی زبان میں "کن فیکون" کہا جاتا ہے۔

چشمِ باطن

خدا کے متعلق جب مذہبی گروہ کی طرف سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم خدا کو قلب وضمیر اور یقین وایمان کی آنکھ سے دیکھ کر مانتے ہیں تو مادہ پرستوں کا طبقہ مذاق اڑاتا ہے کہ یہ کیسے بے عقل لوگ ہیں "جو ان دیکھی" اور "نہ جانی ہوئی" چیز پر ایمان لاتے ہیں۔

لیکن تمہیں معلوم ہے کہ رابرٹ ڈنکن اپنی کتاب "علم جدید" میں ایتھر کے متعلق لکھتا ہے۔

"ایتھر میں ایسے سلبی صفات پائے جاتے ہیں،
جن کے سبب سے کسی کو بمشکل اس کی ہستی کا یقین

آتا ہے، مثلاً ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں نہ
چکھ سکتے ہیں نہ وزن کر سکتے ہیں۔ نہ پیمائش کر سکتے ہیں
لیکن اگر وہ چشمِ ظاہر سے نظر نہ آئے تو کیا مضائقہ ہے
ہم اس کو خیال کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں"

رابرٹ ڈیکن کے اس بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی چیز اگر مشاہدہ اور تجربہ میں نہ آئے اور محسوسات اس کو اپنی گرفت میں نہ لاسکیں تو بھی اُسے مانا جا سکتا ہے۔ انسان کے "باطن میں ایسی کیفیات موجود ہیں جو ظاہری اسباب وعلل سے بے نیاز ہو کر چشمِ ظاہر سے پوشیدہ اور محسوسات سے ماوراء وجود کا اقرار کر سکتی ہیں۔

ایتھر کے ماننے والے خدا کے ماننے والوں پر طنز کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

خدا پرست فلسفی

مغرب مادہ پرستوں کا سب سے بڑا سرپرست اور اُن کا ملجأ وماویٰ ہے۔ مگر جس طرح پانی کی موجوں سے بجلی کے شرارے پیدا ہوتے ہیں۔

اسی طرح ان مادہ پرستوں میں بھی کچھ خدا پرست پیدا ہو گئے ہیں اور اس تاریکی میں بھی روشنی کی چند جھلکیاں ہم کو نظر آتی ہیں۔

مشہور فلسفی ڈیکارٹ توصاف اور واضح الفاظ میں خدا کے وجود کا اِقرار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کا وجود ہمارے دماغ کا پیدا کیا ہوا تصور نہیں ہے۔ کیونکہ دماغ محدود ہے۔ اور خدا غیر محدود ہے۔ اِس لئے ایک محدود چیز غیر محدود شئے کو پیدا نہیں کرسکتی۔

ڈیکارٹ کا فلسفۂ الٰہیات آگے چلکر صوفیوں کی مشہور اِصطلاح "وحدت الوجود" سے جاکر ملجاتا ہے۔

جائنٹ مسائل فلسفہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"ہم کو حصول صَداقت سے مایوس ہو جانا چاہیئے بجز اس صورت کے کہ ہم یہ مان لیں کہ اس کا علم براہِ راست خود "اسی" کی ذات کی طرف سے ہوتا ہے جو اس کا اَبدی سرچشمہ ہے۔ یعنی خود خدا کی طرف سے اور یہی وہ آخری حل تھا جسے نو فلاطونین نے اِختیار کیا اور جس کو ارتیابیت نے ناگزیر کردیا تھا۔ علمی تفکر کی

راہ سے حصولِ یقین کی مایوسی ہی اس پر مجبور کر سکتی
ہے کہ صداقت کو وحی کے اندر پانے کی کوشش کیجائے
جو فکر سے بالا تر ہے۔

مغربی مفکرین کے ایسے بہت سے اقوال پیش کئے جا سکتے ہیں جنھوں
نے صاف و صریح الفاظ میں خدا کے وجود کا اقرار کیا ہے۔

دوسرا گروہ جو مادیات میں اُلجھا ہوا ہے وہ "خدا" کا نام واضح
طور پر نہیں لیتا بلکہ "ناقابلِ ادراک حقیقت" "نامعلوم قوت" اور ایسے
ہی بہت سے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ مگر کسی "موجود" کو "نامعلوم" کہہ
دینے سے "موجود" کے وجود کی نفی تو نہیں ہوتی۔

اور مغرب کے عہدِ وسطیٰ یا اس کے بعد کے دَور تک ہی یہ بات
محدود نہیں ہے، آج سے ہزاروں سال قبل بھی دُنیا کی اُن ممتاز اور
نامور ہستیوں نے خدا کا اقرار کیا ہے جن کا نام آج بھی احترام و عقیدت
کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

سلطنتِ رُوم کی ابھی بنیاد بھی نہ پڑی تھی کہ دَارَو اِس بات کی
تبلیغ کرتا تھا کہ:۔

"کائنات کی رُوح ذاتِ باری ہے"

مشہور شاعر ورجل نے بھی اسی خیال کو نظم کا جامہ پہنایا کہ "تمام زندگی کا اصل الاصول، تمام حرکت کی علتِ فاعلی ایک عالمگیر روح ہے جو کائنات کے گوشہ گوشہ میں جاری و ساری ہے۔!

یونان کے مایۂ ناز خطیب سسرو کا فلاطون کے اس عقیدے پر ایمان تھا:۔

" خدا نام ہے رُوح مجرد کا، ایسے نفس کا جو جسم و مادہ کی کثافت سے پاک ہے"

الفاظ کی تاویل میں نہ اُلجھیئے، یہ دیکھیئے کہ خدا کے "نفسِ وجود" کا اقرار کیا جا رہا ہے

باطن اور تمیز فطری

مذہب ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کو بھی مانتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس ظاہر کائنات کے پیچھے ایک "روح حقیقی" کارفرما ہے۔ وہی

" روح حقیقی " " خدا " ہے ، وہی قادرِ مطلق اور حاضر و ناظر ہے
۔ مادّہ خواہ کتنا ہی قدیم کیوں نہ ہو ، لیکن وہ " حقیقت
کائنات " یا " اصل عالم " نہیں ہوسکتا ۔ مادہ میں کوئی شعور نہیں ہے ۔
لہٰذا ایک غیر شاعر شئے شعور رکھنے والے اجسام کو پیدا نہیں کرسکتی ۔
وہ لوگ جو حرکت کو اصل کائنات سمجھتے ہیں ان کے اِس خیال
کے متعلق مشہور فلسفی لائبنز کہتا ہے ۔

" حرکت چونکہ اِضافی شئے ہے اِس لئے وہ
بھی انتہائی حقیقت نہیں ہوسکتی " اور وہ جو
حرکت ہی کو اصلِ کائنات سمجھتے ہیں وہ خود حرکت
کے حقیقی تصور سے قاصر ہیں ۔

علم الحرکت ہی کے ماہرین کی یہ رائے ہے کہ حرکت کا تصور ناممکن
ہے ، تیر کمان سے چھوٹ کر ہر نقطہ پر ساکن ہوتا ہے ، اِس لئے تیر ساکن
ہی ساکن ہے ۔

یہی فلسفی آخر میں چل کر اِعلان کرتا ہے ۔
" ساری کائنات روحانی حقائق پر مشتمل ہے "

مذہب بھی یہی کہتا ہے کہ اس مادّی عالم میں ایک روحانی حقیقت کام کر رہی ہے۔

مذہب "وجدان" اور "تمیز فطری" اور "یقین ضمیر" کا نام ہے ایمان اور یقین کی سرحد، تجربہ اور مشاہدہ سے ماوراء ہے۔ اسی خیال کو مشہور فلسفی ہین اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

" اس شئے کی مشابہت جو ہمارے تجربہ میں آچکی ہے اس شئے سے جو ہمارے تجربہ میں نہیں آئی ہماری نیچر (طبیعت) کے قانون پر مبنی ہے اور وہ قانون اِس خیال کے زور سے حاصل ہوا جبکہ تجربہ نے ابھی اُسے ثابت بھی نہیں کیا تھا۔
لہذا جس طرح مذہب کا خیال طبعی ہے۔ سائنس بھی اس سے نہیں بچ سکتی۔ کیونکہ آخری بنیاد اس کی بھی تمیز فطری ہے جو تجربہ پر مقدم ہے۔"

مذہب دُنیا کا
دُوسرا رُخ

اِس "روشن تہذیب" اور "ترقی یافتہ تمدّن" پر جب مذہبی گروہ تنقید کرتا ہے تو اُس کو "قدامت پرست" اور "تاریک دماغ" کہہ کر مُسکرایا جاتا ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ان ہی "روشن دماغوں" اور "تمدن کے علمبرداروں" کا اپنی تہذیب کے متعلق کیا خیال ہے۔

ہیکل جو ڈارون کا نہایت ہی جوشیلا شاگرد اور مذہب کا سخت دشمن ہے اپنی کتاب "معمائے کائنات" کے باب اوّل میں لکھتا ہے۔

"اُنیسویں صدی عیسوی کا اِختتام ایک مبصر کی نگاہ کے سامنے حیرت انگیز تماشا پیش کرتا ہے۔ تمام تعلیم یافتہ اشخاص اِس بات پر متفق ہیں کہ یہ صدی بہت سی باتوں میں سابقہ

صدیوں سے بازی لے گئی ہے، نہ صرف حکمت
نظری میں حیرت انگیز معلومات صحیح کا اضافہ ہونے
سے بلکہ عملی سائنس صنعت و حرفت و تجارت
وغیرہ میں مفید طریق عمل اختیار کرنے سے ہماری
جدید تہذیب کی ایک نرالی شان پیدا ہو گئی مگر
برعکس اس کے اخلاقی اور معاشرتی زندگی کے
لحاظ سے ہم نے گزشتہ صدیوں کے مقابلہ میں
بہت کم کیا یعنی کچھ بھی ترقی نہیں کی بلکہ بعض اوقات
ہم نے خطرناک رجعت قہقری کی "

تہذیب نو کے شیدائی اور جدید رجحانات کے معتقدین سُن رہے ہیں۔

دوسری شہادت اِس سے بھی زیادہ واضح اور حقیقت سے زیادہ قریب ہے۔

ڈاکٹر ویل اپنی مشہور کتاب
میں لکھتے ہیں :۔

"آیندہ زمانہ کے مورخین ضرور لکھیں گے کہ
ہم اُنیسویں صدی والے، باوجودیکہ اکتشافاتِ
سائنس نے ہم کو نیکی یا بدی میں اِمتیاز کرنے
کی عظیم الشان قوت عطا کر دی تھی۔ لیکن
اَفسوس ہم اخلاقی اور معاشرتی حیثیت سے
نااہل ثابت ہوئے۔ جس تہذیب پر ہم کو ناز
ہے وہ دہوکے کی ٹٹی ہے ہمارا نظامِ حکومت
نہ دینِ مسیح ہے نہ تمدن اور تہذیب کے موافق
ہم اپنے اِس قول کی تائید میں اس صدی کی
یوربین جنگوں کو پیش کرسکتے ہیں۔ جو صرف
قومی دراز دستی کے سبب ظہور میں آئیں اور
کبھی ایسا نہیں ہوا کہ غلاموں کے آزاد کرانے
میں یا مظلوموں کو داد دینے میں اپنا اُوسید ہلا
کیا گیا ہو۔"

ڈاکٹر ڈیل کا یہ بیان، سائنس اور تہذیب کی دنیا کے لئے ایک

آئینہ ہے جس میں وہ اپنے کردار کے چہرے کو دیکھ سکتے ہیں۔

اِقرار کی اِفادیت

اَب آخری بات یہ باقی رَہ جاتی ہے کہ خدا کے ماننے کی زندگی میں ایسی خاص ضرورت کیا ہے؟

کیا خدا کے مانے بغیر آدمی کامیابی کے ساتھ زندگی بسر نہیں کرسکتا؟ نہایت اَدب کے ساتھ گزارش ہے کہ کسی وجود کے ہوتے ہوئے اس کا اِنکار کرنا بے عقلی کی دلیل ہے اور جو شخص اتنی کھُلی حقیقت کا اِنکار کرسکتا ہے اُس سے دُنیا میں عدل واِنصاف کے بہت سے قوانین کے اِنکار کی توقع کی جاسکتی ہے اِس طرح زندگی کی بہت بڑی ضرورت کے ضایع ہوجانے کا خطرہ ہے۔

مذہب کی طرف سے دعویٰ اور اِقرار کیا جاتا ہے کے "خدا" حاضر وناظر اور سمیع وخبیر ہے اُس کی ذات اِنسان کے دل کے پوشیدہ سے پوشیدہ خطرات سے واقف ہے اور غاروں کے گھُپ اندھیرے میں

بھی وہ سب کچھ دیکھ سکتا ہے، تو جو شخص خدا کے وجود پر یقین نہیں رکھتا وہ اُن جرائم اور لغزشوں سے تو بچ سکتا ہے جہاں قانون اور حکومت کے اِحتساب کا خطرہ ہوتا ہے۔ لیکن جہاں قانون و حکومت کے اِحتساب و گرفت کا خطرہ نہیں وہاں اُس سے قانون کی خلاف ورزی کا اِمکان ہے مگر ایک خدا پرست کا اِس بات پر ایمان ہے کہ دُنیا کی حکومت و قانون سے بلند ایک ایسی ہستی بھی موجود ہے جو ہر جگہ اور ہر حال میں اُس کے ہر نقل و حرکت پر نظر رکھتی ہے اور اس سے چھپا کر کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا خلوت اور تنہائی میں بھی وہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی اُسے دیکھ رہا ہے اور تنہائی کے باوجود بھی وہ تنہا نہیں ہے۔ ! خدا کا منکر جہاں کسی جھجک کے بغیر قانون کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا۔ وہاں خدا پرست یقیناً روک، جھجک، شرم اور خوف محسوس کرے گا۔ اس طرح خدا پرست سوسائٹی اور زندگی کے لئے بہت زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ خدا کو ماننا گویا عدل و اِنصاف سے قریب ہوجاتا ہے۔



غیروں کی شہادت

میرا موضوع "خدا اور کائنات" ہے اِسلام سے میں نے کہیں بحث نہیں کی لیکن اس دورِ انقلاب میں عام طور پر تمام دوسرے مذاہب اپنی مرکزیت کو ضایع کر چکے ہیں، یہ دیکھ کر کہ اُن کے مذہبی اُصول دنیا کی نئی نئی ضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتے، اُنھوں نے سرے سے اپنے اصولوں کو ہی بدل ڈالا، صرف ایک مذہب اسلام ایسا مستحکم، اور مضبوط اور اٹل نظام ہے جو دُنیا کے تمام اِنقلابات کو چیلنج دے کر ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا ہے کہ زندگی کی تمام مفید ضروریات کو پُورا کرنے کی مجھ میں صلاحیت ہے، میرا نظام ابدی اور سرمدی ہے، دُنیا کا کوئی اِنقلاب مجھے بدل نہیں سکتا — !

نفسِ مذہب پر طَعن کرنے والے بھی عام طور پر اسلام ہی کو ہدفِ اِعتراض بناتے ہیں اور ہندوستان کے بعض ملحد و مُنکر ادیب اور شاعر تو خاص طور پر اسلام پر طنز کرنے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ قرآن کی

پیش کی ہوئی جنت و دوزخ، حور و قصور اور فلسفہ نیکی و بدی کا مذاق اُڑایا جاتا ہے ——!

میں اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنا نہیں چاہتا، مغربی مفکرین کے چند اقوال پیش کئے دیتا ہوں، پروفیسر براؤن لکھتے ہیں:-

"قرآن مجید کا میں جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہوں اور اس کی روح کو اکتساب کرنے کی کوشش کرتا ہوں اُسی قدر مجھے اُس میں زیادہ لطف آتا ہے لیکن اوستا کو لسانی یا قصص یا مقابلے کی ضرورتوں کے علاوہ کسی اور ارادے سے پڑھنا دو بھر اور بلائے جان معلوم ہوتا ہے"

مشہور فرانسیسی فلاسفر اور مستشرق رینان لکھتا ہے:-

"اپنی زندگی میں جب کبھی میں مسلمانوں کی مسجد میں داخل ہوا ہوں، میں نے اپنے اندر اسلام کی طرف ایک خاص کشش محسوس کی ہے بلکہ مجھے اپنے مسلمان نہ ہونے پر افسوس ہوا ہے"

کہا جاتا ہے کہ مسلمان اسلام پر قایم رہ کر دنیا کی نئی نئی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے، مگر مغرب کے مشہور مفکر ڈریپر تو یہ کہتا ہے :۔

بہ ہر حال اس زمانہ میں سائنس کو جو کچھ ترقی ہوئی، مسلمانوں کی بدولت ہوئی، عیسائی دنیا پر جہل و اوہام کی تاریکی کا پردہ پڑا ہوا تھا، مسیحیوں کو علمی مسایل کی ہوا تک نہ لگی تھی۔"

یہ ابو الاعلیٰ مودودی اور عبدالماجد دریا بادی نہیں مغرب کے ارباب فکر کہہ رہے ہیں، کاش! اعتراض کرنے سے پہلے حقیقت پر غور کر لیا جاتا ہے ـــــ بیوقوف کا اپنے کو عقلمند سمجھنا بے وقوف ہونے سے زیادہ خطرناک ہے۔

حرفِ آخر

اُوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس کا مقصد مناظرہ یا مکابرہ نہیں ہے

لہ سائنس کا تدریجی دور ارتقاء۔

میرا مقصد صرف تبلیغ صداقت اور احقاق حق ہے۔ جو خدا اور مذہب کو خوش قسمتی سے مانتے ہیں وہ دوسروں تک میرے ان خیالات کو پہونچا دیں اور میرے اِس مضمون کو صرف افسانہ کی طرح پڑھکر "زینت طاق نسیاں نہ بنا دیں"۔ میں مضمون پڑھنے والوں کو ایک زبردست ذمہ داری سونپ رہا ہوں۔

وہ جو مذہب اور خدا سے بیزار ہیں اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ از راہ نوازش اِس مضمون کو خوب غور سے پڑھیں اِس تصور کو ذہن سے دور کرتے ہوئے کہ "مذہب اور خدا کا تصور سرے سے غلط اور مفروضہ ہے اور خدا پرست لوگ فضول بکواس کیا کرتے ہیں"۔ میں نے اسی خوف سے مغرب کے مشاہیر مفکرین کے افکار و خیالات کو زیادہ سے زیادہ پیش کیا ہے۔

وہ جو ادبی عظمت اور شاعرانہ شہرت و قبولیت کے گھمنڈ پر خدا اور مذہب کا مضحکہ اُڑاتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے اِس طرزِ عمل کو برداشت نہیں کیا جا سکتا، خدا پرستوں کے پاس دلائل کی کمی نہیں ہے وہ ہر عقلی محاذ پر منکرین و ملحدین کو شکست دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

نوجوانوں کا وہ طبقہ جس کے متعلق علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا ہے۔

نوجوانان تشنہ لب، خالی ایاغ
شستہ رو، تاریک جاں، روشن دماغ

اُن کو خاص طور پر اِس مضمون کے مطالعہ کی دعوت دی جاتی ہے۔
کاش! اِن "تاریک جانوں" تک میرے دل کی چنگاریاں اُڑ کر پہونچ سکیں ـــــ!

ہماری ہر دلعزیز مطبوعات

ادب اور انقلاب۔	ڈاکٹر اختر حسین رائپوری	۳ ۸ ۰
لہریں	شفیق الرحمان	۳ ۱۲ ۰
زندگی کے نئے زاویئے۔	رئیس احمد جعفری	۳ ۰ ۰
محمد علیؒ	مولانا عبدالماجد دریا بادی	۲ ۱۲ ۰
یقین و عمل	عبدالقدوس ہاشمی	۲ ۸ ۰
مقالات محمد علیؒ حصہ اول	مرتبہ رئیس احمد جعفری	۳ ۱۲ ۰

نغماتِ ماہر	ماہر القادری	۳ . .
ٹیگور اور اُنکی شاعری	مخدوم محی الدین	۱ ۸ .
اقبال کا تصور زمان و مکان ۔	ڈاکٹر رضی الدین	. ۱۲ .
اقبال کے خطوط جنّاح کے نام ۔		. ۵ .
ابن خلدون کے سیاسی و معاشرتی نظریئے ۔	پروفیسر عبدالقادر	. ۶ .
گرداب	احمد ندیم قاسمی	۳ ۱۲ .
افسانے اور ڈرامے	سعادت حسن منٹو	۲ ۱۲ .
مضامین عبدالماجد دریابادی		۴ ۴ .
مردونکی مسیحائی	مولانا عبدالماجد دریابادی ۔	۴ ۴
مقالاتِ محمّد علی حصہ دوم ۔	رئیس احمد جعفری	۳ ۱۲ .